"کربیہ"

نئے دور کا مرثیہ

"حرفِ اوّل"

بساطِ دُنیا بہار پر ہے۔
بساطِ دُنیا بہار پر ہے!
نفس نفس دھونکنی لگی ہے
اور ایسا لگتا ہے جیسے سینہ میں لوکے جھکڑ سے چل رہے ہیں
سخن کا چٹخا لگا ہے سوکھی زباں میں کانٹے پڑے ہوئے ہیں
زبان مُنھ سے نکل پڑی ہے
(زباں جو کرتی ہے آدمی کے ہر ایک جذبہ کی ترجمانی)
وہ آج اینٹھی پڑی ہو جیسے
زبان جو تالو سے جا لگی ہے
زبان جو گُنگ ہو گئی ہے
سخُن کی کرب و بلا میں برپا ہوا تلاطم تو چیخ اٹھا ہیں

حسینؑ پانی ، حسینؑ پانی ....

حسینؑ صحرائے کربلا میں ندائے "ھَل مِن" لگانے والے
زمیں کو آزمانے والے
وفورِ تشنہ لبی میں اپنے عزیب لیکن عظیم لہجہ کے سچے خالق ،
زمین پر کوئی معجزہ ہو ،
زباں پہ اعجاز لفظ کا ہو
خلوص و صدق و صفا کے پیکر ،
ادھر نظر کر
مری بھی سُن لے
کہ تو ہے رضائے خالِق
یہ التجا ہے
قرآنِ ناطق ، قرآن صامت کے ترجمان و امین و حافظ ،
حسینؑ !
انسانیت کے شارق
زمیں پہ کربلا کے خالق
مجھے بھی طرزِ سخن سکھا دے
حسینؑ برحق ، خدائے حق سے میں مانگتا ہوں

کہ یہ دُعا ہے.
کہ بے یقینی و خشک سالی کے دور میں بھی،
زبانِ تشنہ سخن سے اپنی،
قدیم لفظوں کی قوتوں سے،
جدید لہجہ کی جرأتوں سے
یزید کو پھر یزید کہہ کر حُسنیت کا عَلم اٹھاؤں
زبان کی آبرو بڑھاؤں
حکومتِ ایزدی کو گیتی پہ عام کر دوں
کہ فرض ہے یہ ہر آدمی کا
جو خود کو انسان کہہ رہا ہے
خلیفۃ اللہ بن رہا ہے.

....

"حرفِ دوم"

میں آج تشنۂ سخن نہیں ہوں
میں آج خود اپنے خونِ خالص میں اپنا مخلص قلم ڈبو کر
زباں سے نادِ علیؑ کو پڑھ کر
لبوں سے قرطاس کو لگا کر،
ادب سے اسمِ حسینؑ لکھ کر
میں لکھ رہا ہوں قلم سے اپنے، وہ خونچکاں داستاں حرم کی
وہ جس سے تاریخ آدمی کی رنگی ہوئی ہے۔
وہ جس سے رنگین آج انساں کی داستاں ہے۔
وہ جس میں انساں کے خونِ ناحق کی ایک معصوم سی امانت،
فلک نے بارِ گراں سمجھ کر
زمیں نے آتش فشاں سمجھ کر
قبول کرنے سے معذرت کی
تو اس طرح سے
برس سکے گا نہ بوند پانی
نہ کوئی سبزہ ہی اُگ سکے گا
لہو — وہ جس کو کہ ایک انسان نے آدمی کی بقا کی خاطر

خود اپنے چہرہ پہ مل لیا تھا
کہ یہ زہر بھی آپ پی لیا تھا
زمیں پہ کربِ گرسنگی تھا
فلک پہ تھی تشنگی بلا کی

میں لکھ رہا ہوں کہ آج نوکِ مژہ پہ اشکِ عزا سجے ہیں
قلم کی تازہ زباں سے پیہم لہو کے قطرے ٹپک رہے ہیں
کہ لکھ رہا ہوں وہ داستانِ وقار و جرأت
کہ جس میں انسانیت سے خالص وفا کے بدلے
تمام انسانیت کے پرچم کو خوں سے دھو کر
کل اک جری نے،
اسی زمیں پر،
کنارِ دریا
بس ایک معصوم آبرو پر
خود اپنے بازو کٹا دیئے ہیں۔

قلم سے تحریر ہو رہی ہے وہ داستانِ شہیدِ برحق

وہ جس میں انسانیت کے حق پہ کمالِ ذوقِ یقیں کی خاطر
جوان انساں نے نرم سینہ پہ گرم لوہے کا تیز بھالا بھی سہہ لیا ہے
قلم سے تحریر کر رہا ہوں وہ داستانِ غریب جس میں
ہوئی یوں ایک ماہرو کی شادی
عروسِ انسانیت کے سینہ کو تختۂ گل بنایا جس نے
نہ بندھ سکا اس کے سر پہ سہرا
مگر ہوا جسم لاکھوں گھوڑوں کی سخت ٹاپوں سے پارہ پارہ،
میں لکھ رہا ہوں قلم سے اپنے
وہ داستانِ مشیتِ ایزدی کہ جس میں
رہِ فنا میں قدیم انساں،
عظیم سوکھے گلے کٹا کر
نشانِ باطل مٹا گئے ہیں
پلا کے آبِ بقاء گئے ہیں
پھر اس جہاں کو—

قلم سے اپنے میں لکھ رہا ہوں کہ آج سادہ یہ داستاں ہے
کہ اس میں آزاد ہو کے انساں

خود اپنے حق پر گواہ بن کر تمام عالم پہ چھا گیا ہے۔

قلم سے رنگین داستانِ امیرِ برحق میں لکھ رہا ہوں،
حسینؑ آتے
لطیف اشارے پہ کبریا کے
(حسینؑ کرتے ہیں جمع اپنے حسین ساتھی)
خدا کے پرچم کے زیرِ سایہ
بدن پہ خونیں قبا سجائے
شکم پہ تابِ گرسنگی کے لئے کوئی سنگ بھی نہیں ہے
نہ رُخ پہ اظہارِ تشنگی ہے،
حسینؑ کے بے عدیل ساتھی
شہادتوں کے گلاب بن کر چمن میں سوئے
زمردیں آسماں کے نیچے!
لہو نہائی ہوئی زمیں پر!
حسینؑ ذی شان وذی حشم نے،
جو سرخ مٹی کی کربلا پہ
جو زرد چادر کے سائباں میں

وفا کے ان نامور نصیبوں کی سمت دیکھا
اداس لیکن عظیم تنہائیوں میں اپنی
رسیلے لہجہ میں گنگنا کر
زبانِ صدق و صفا سے اپنی
ندائے "ھل من" لگا کے پیہم
اکیلے جنگِ عظیم لڑ کر
شہید ہو کر
حیات کا وہ چمن کھلایا
کہ اک خدائی
پکار اٹھی
حسینؑ تو نے
جہانِ انسانیت کو بخشی بہار دائم
حسینِؑ اعظم کے ایک دن کی
یہ جانفزا، جاوداں حکایت
ہر اک زمانہ کے ہر ورق پہ
حسین کہاوت سی بن گئی
کہ سر کٹانا، نہ سر جھکانا۔

حسینؑ کی خونچکاں کہانی
جو چند لفظوں پہ مشتمل ہے
حرم کی یہ داستانِ "رنگین غریب و سادہ"
ہے مختصر
پھر بھی معتبر ہے۔

"حرفِ سوم"

میں لکھ رہا ہوں
مگر یہ کیا ہے
قلم سے کاغذ پہ روشنائی کی ایک چادر سی تن گئی —
مرے الٰہی لکھوں تو کیسے
مرے خدایا پڑھوں تو کیسے
کہ بینِ قرطاس و چشمِ بینا ہے پردۂ اشک آج حائل
یہ منظرِ کرب ہے ہی ایسا!
خدائے برحق مجھے عطا کر
شعور و جرأت
کہ لکھ سکوں میں حرم کی وہ داستاں دوبارہ

کہ جس کی تفصیل پر زمانہ کے ہر مؤرخ نے پردہ ڈالا
اگرچہ وہ معتبر بھی ہے
اور مختصر بھی۔

میں لکھ رہا ہوں وہ داستانِ حرم کہ جس میں
سمو گئی ہے شبِ الم بھی،
شبِ الم میں جلا دیئے ہیں خیامِ حرمت
عدوئے انسانیت درندوں نے اس طرح سے
کہ آج تاریخ آدمی کی بھڑک اٹھی ہے۔

قلم سے تحریر کر رہا ہوں حرم کی وہ داستانِ غربت
کہ جس میں انسانیت کی عظمت کو ذہنِ ناقص سے محو کر کے
کمین خصلت، ذلیل فطرت سپاہیوں نے
زباں سے ذکرِ رسولؐ کر کے
رسولؐ ہی کے حرم کا زیور جھپٹ لیا ہے
نہ صرف یہ بلکہ ظالموں نے
جکڑ دیئے ہیں کئی گلے ایک ہی رسن سے۔

گلے وہ تشنہ لبوں کے وارث
کہ آج بھی جن کے تذکرے سے
زمیں اذیت سے تھرتھراتی ہے اس طرح سے
فلک ندامت سے کانپتا ہے

قلم سے تحریر ہو رہی ہے
حرم کی وہ داستانِ غیرت
کہ جس میں انسانیت کی معصومیت کے رُخ پر
طمانچے مارے یوں اک شقی نے
کہ داغ داغ آج تک ہے تاریخ آدمی کی

قلم سے تحریر کر رہا ہوں وہ داستانِ حرم کہ جس میں
تمام اہلِ حرم کے بیمار پیشوا نے
غریب انساں کی حریت کا امام بن کر
پیادہ پا بیڑیاں پہن کر
گلے میں طوقِ گراں سجا کر
اسیر ہو کر وہ جذبۂ حریت ابھارا
کہ اب غلامی کا لفظ ہم کو لغات میں بھی کھٹک رہا ہے

قلم سے اپنے میں لکھ رہا ہوں

وہ داستانِ حرم کہ جس میں
بس ایک بیمارِ کربلا نے
جلو میں کچھ کم سنوں کو لے کر
حرم کی کچھ بیبیوں کے ہمراہ
عظیم لیکن نحیف و لاغر قدم جما کر
ذلیلِ دربارِ آدمی میں
یزیدیت کا فسوں یوں توڑا
سلونی لہجہ میں صاف کہہ کر
خدائے واحد ہے سب سے برتر
نبی محمدؐ ہیں، میرے جدّ ہیں
علیؑ رسولِ خدا کے وارث
ولیؑ برحق ہیں اور مولائے دو جہاں ہیں
بتولؑ معصومۂ جہاں ہیں
نساءِ عالم کی سیّدہ ہیں
حسنؑ شریعت کی مصلحت ہیں
حسینؑ برحق ہیں
ان کا مسلک مشیتِ ایزدی رہا ہے۔

میں آج ان پنجتنؑ کی عصمت کے واسطے سے
یہاں یہ اعلان کر رہا ہوں،
حسینؑ ابنِ علیؑ کا بیٹا نہیں جھکے گا!
نہیں جھکے گا!
حسینِ اعظم کے لختِ دل کی زبانِ اعجاز کا یہ جملہ
مقولۂ عام ہو گیا ہے
زبانِ انسانیت میں ڈھل کر
امر ہوا ہے
کوئی زمانہ ہو حق پہ انساں یہی کہے گا
ذلیل دربار آدمی میں عظیم انساں نہیں جھکے گا
عظیم انساں نہ کل جھکا تھا
نہ اب جھکے گا۔

"حرفِ آخر"

دکھا رہا ہے قلم مرا اب اک ایسے زنداں کی جھلکیاں بھی
جہاں اندھیروں کی وسعتوں میں
وہ عزم تحریک بن گیا ہے

جسے مٹانے اُٹھے تھے ظالم
وہ ایک زنداں
جہاں اسیری کے گھُپ اندھیروں میں بھی صداقت کی روشنی ہے
وہ روشنی ہے
کہ جس سے روشن حریمِ انساں کی داستاں ہے
وہ روشنی ہے کہ جس کا پرتو قلم پہ میرے جو پڑ رہا ہے
تو آج میرے قلم کی جنبش سحر انوکھی دکھا رہی ہے
طلوعِ خورشید کا وہ مژدہ سُنا رہی ہے
جو حرّیت کا نقیب ہوگا
جو آگہی کا امین ہوگا

سنہ ۱۹۷۳ء

اعت اوّل (اقتباس) سنہ ۱۹۷۴ء

(۱) ہفت روزہ "بشارت" مظفر گڑھ۔
مدیر، کشفی ملتانی۔
(۲) ماہنامہ "محفل" لاہور
مدیر طفیل ہوشیارپوری۔

اوّل (اقتباس) سنہ ۱۹۷۵ء

بی۔بی۔سی۔لندن (اُردو سروس)
ناشر۔ ندیم صدیقی۔

ریڈیو پاکستان کراچی
پیشکش: عصمت آرا
نشر (مکمل حصہ) سنہ ۱۹۸۱ء
ریڈیو پاکستان، اسلام آباد
ناشر: ناصر جہاں اور سلمان المعظم

اشاعت (مکمل حصہ) مارچ سنہ ۱۹۹۱ء

ماہنامہ "مرثیہ" لاہور

مدیر: ظفر شادب۔